خدیجہ مستور کے ناول "آنگن" میں تہذیب و معاشرت کی عکاسی

A Reflection of Civilization and Society in Khadija Mastoor's Novel "Angan"

Dr. Rashida Qazi
Associate Professor, Department of Urdu, Ghazi University, D.G Khan,
Email: rashidaqazi@yaoo.com *ORCID:* https://orcid.org/0000-0003-2738-7295

Muhammad Ali
Ph. D Scholar The Islamia University Bahawalpur
Email: Alikhanzada40@gmail.com *ORCID:* https://orcid.org/0000-0001-7209-207X

Sajawal Qayyum
Ph.D Scholar, Department of Urdu Ghazi University D. G Khan.
Email: Sajawalqayyum@gmail.com *ORCID:* https://orcid.org/0009-0002-4136-0072

Abstract

When we use the word "Civilization", it refers to the overall distinctive characteristics of a nation or country, arising from the main aspects of its internal and external life, which are cherished by the people of that region. Culture and society encompass the emotional and material aspirations and desires of nation life. Khadija Mastoor's novel 'Angan' is extremely important in terms of its theme, character, and style, but another prominent feature of this novel is that it reflects the civilization and culture of its era. The story of the novel relates to individuals who are faced with the great political, economic, and social crisis in their era.

Key word:
Civilization, Internal and external life, emotional and material aspiration.

اُردو کی ادبی دنیا میں ڈاکٹر رشید جہاں (۱۹۰۲ء۔۱۹۰۵ء) اور عصمت چغتائی (۱۹۹۱ء۔۱۹۱۵ء) کے بعد جن دو خواتین نے ابدی نقوش چھوڑے ان میں قراۃ العین حیدر (۱۹۰۷ء۔۱۹۲۷ء) اور خدیجہ مستور (۱۹۸۲ء۔۱۹۲۷ء) نمایاں ہیں۔۔انہیں معمولی واقعات کے ذریعے غیر معمولی واقعات تک پہنچنے میں کمال حاصل ہے۔ان کی تحریروں میں موجود تمام کردار اپنی فکری پیچیدگیوں، نفسیاتی کشاکش اور جذبہ و احساس کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں۔ان میں مثالیت پسندی یا تصوریت نہیں بلکہ تہذیب و معاشرت کی حقیقی تصویر اور جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ان کا شمار ان تخلیق کاروں میں ہوتا ہے، جنھوں نے اپنی تخلیقی ذہانت اور فنکارانہ شعور کے ذریعہ افسانہ نگاری اور ناول نگاری کے فنی

معیار کو بلند کیا۔ ان کے پانچ افسانوی مجموعے جن میں کھیل (۱۹۴۴ء)، بوچھار (۱۹۴۲ء)، چند روز اور (۱۹۵۱ء)، تھکے ہارے (۱۹۶۲ء) اور ٹھنڈا میٹھا پانی (۱۹۸۱ء) شامل ہیں۔ لیکن انہیں خاص شہرت ان کے ناول "آنگن" سے ملی جسے اردو ادب کے بہترین ناولوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

ڈیزی راکویل نے "آنگن" کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا اور اس ناول پر ٹی وی سیریل بھی بن چکا ہے۔ ناول کے انگریزی ترجمہ کو پنگوئن نے کلاسک کے درجے میں رکھا ہوا ہے۔ اسلوب احمد انصاری اسے اُردو کے ۱۵ بہترین ناولوں میں شمار کرتے ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی کا کہنا ہے کہ اس ناول پر اب تک جتنی توجہ دی گئی ہے وہ اس سے زیادہ کا مستحق ہے۔ (1) تقسیم ہند کے موضوع پر یہ انتہائی متوازن ناول اپنی مثال آپ ہے جس میں باقی عناصر کے ساتھ پاک و ہند کی تہذیب و معاشرت کو خاص مقام حاصل ہے۔ بلاشبہ انسان کا ہر ذاتی عمل تہذیب کی حدود میں آتا ہے۔ تہذیب انسانی کائنات کی اہم ترین اصطلاح ہے اور اس وسیع المعانی اصطلاح کی خاص الفاظ میں تعریف کرنا مفکرین کے لیے مشکل کام رہا لیکن معنوی اعتبار سے مختلف پہلوؤں کو بنیاد بنا کر تہذیب کے معنی اخذ کیے جاتے ہیں۔ سبطِ حسن لکھتے ہیں کہ:

> "کسی معاشرے کی بامقصد تخلیقات اور سماجی اقتدار کے نظام کو تہذیب کہتے ہیں۔ تہذیب معاشرت کی طرزِ زندگی اور طرزِ فکر و احساس کا جوہر ہوتی ہے۔ چناں چہ زبان، آلات واوزار، پیداوار کے طریقے، سماجی رشتے، رہن سہن، فنون لطیفہ، علم و ادب، فلسفہ وحکمت، عقائد وفسوں، اخلاق وعادات، رسوم وروایات، عشق ومحبت کے سلوک اور خاندانی تعلقات وغیرہ تہذیب کے مختلف مظاہر ہیں"۔ (2)

ہم جب تہذیب کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد کسی قوم یا ملک کی داخلی و خارجی زندگی کے اہم پہلوؤں سے مجموعی طور پر پیدا ہونے والی وہ امتیازی خصوصیات مراد لی جاتی ہیں جنہیں اس خطے کے لوگ عزیز رکھتے ہیں۔ تہذیب و معاشرت قومی زندگی کی جذباتی، مادی امنگوں اور خواہشوں کا احاطہ کرتے ہیں۔

خدیجہ مستور کا ناول "آنگن" پلاٹ، کردار اور اسلوب وغیرہ کے اعتبار سے تو بے حد اہم ہے تاہم اس ناول کی ایک اور نمایاں خوبی یہ ہے کہ یہ اپنے عہد کی تہذیب و ثقافت کا آئینہ دار ہے۔ ناول کی کہانی ان افراد سے تعلق رکھتی ہے

جو اپنے عہد کے حوالے سے زبردست سیاسی، معاشی، سماجی و اقتصادی بحران سے دوچار ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر اسلم آزاد لکھتے ہیں:

> "آنگن اپنے تاریخی موضوع، تہذیبی سچائی، فنی پختگی اور فکری شعور کے باعث میرے خیال میں اُردو کا سب سے اچھا اور شاہکار ناول ہے۔ جس نے خدیجہ مستور کو دنیائے ادب میں جاوداں بنا دیا ہے"۔(3)

"آنگن" کا آغاز وہاں سے ہوتا ہے جہاں تحریک پاکستان کے پس منظر میں برصغیر کے عوام اپنی زندگی کی بڑی جد وجہد سے نبرد آزما ہیں۔ بقول عنایت اللہ:

> "خدیجہ مستور صاحبہ کا اشارہ ہمارے معاشرے کی اس تلخ حقیقت کی طرف تو نہیں ہے کہ ہمارے یہاں کشمکش زندگی کسی کو نہیں بخشتی؟ یہ ساری دنیا ایک سلگتی بھٹی ہی تو ہے۔ جو اس میں سے صحیح وسلامت گزر گیا۔ وہ زندہ جاوید ہو گیا"۔(4)

"آنگن" میں مرد، عورتیں، بچے اور بوڑھے سبھی افراد موجود ہیں۔ اس تقسیم میں مقیم ہر فرد الگ سوچ کا مالک ہے یوں ایک ہی "آنگن" میں مختلف طبقوں کی نمائندگی ہو جاتی ہے۔ ناول میں ہندوستانی افسروں اور بنگلوں کی عکاسی کے ساتھ عام گھروں کی تہذیب کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

> "وہاں تو لائن سے سارے افسروں کے پیلے پیلے بنگلے بنے ہوئے تھے۔ بنگلوں سے ذرا دور آموں کا باغ تھا۔ پاس چھوٹا سا تالاب ۔۔۔ باغ کا رکھوالا انہیں کچھ بھی نہ کہتا بلکہ زمین پر پٹکی ہوئی کچی کیریاں خود ہی چُن کر انھیں دیتا"۔(5)

یہ ناول ایک گھر کی نہیں بلکہ برصغیر کے ایک عہد کی نمائندگی ہے۔ بڑے چچا کے حوالے سے ہی دیکھا جائے تو وہ ان بے شمار لوگوں کی نمائندگی کرتے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کانگریس کے نظریہ پر قربان کر دی اور اس طرح سے نہ صرف اس دور میں بلکہ آج بھی بعض گھرانوں میں گھر کی حکمرانی ہر عورت اپنا حق سمجھتی ہے۔ خدیجہ مستور نے امّاں کے کردار کے حوالے سے اس رویے کی بھی بھرپور عکاسی کی ہے۔

"تمہاری دادی کی طبیعت تو گاؤں بھر میں مشہور تھی۔ ان کی سختی کا
یہ عالم تھا کہ جب کسی نوکر چاکر سے ناراض ہوتیں تو بٹی ہوئی رسی
لے کر کھال اُدھیڑ دیتیں۔ ہائے کیا غرور تھا، کیا رعب تھا، جدھر
سے گزرتیں لوگوں کی روح قبض ہو جاتی تھی"۔ (6)

"آنگن" میں رشتوں کے درمیان اختلافات و تضادات جیسے معاشرتی رویوں کی عکاسی بھی نمایاں ہے مثلاً:

"جب دادی کو سلمٰی پھوپھی کی موت کی خبر لگی تو جانے ان کی شرم
کہاں مر گئی، اپنی بے حیا بیٹی کی موت پر سینہ کوٹ کوٹ کر رونے
لگیں۔ مجھ سے تو قسم لے لو جو میری آنکھ سے ایک آنسو بھی گرا
ہو۔ حیران ہو کر تمہاری دادی کو دیکھ رہی تھی جو نوکروں چاکروں
کے بیچ میں لوٹ لوٹ کر رو رہی تھی"۔ (7)

گھر کے افراد کے تضاد اور سیاسی جدوجہد بڑی دلچسپ ہے۔ ہر ایک کی ذمہ داریاں اور نظریات مختلف ہیں۔ ایک طبقہ آزادی کو اپنا آئیڈیل سمجھتا ہے تو دوسرا آزادی کو ایک نئے ملک کی تخلیق کی طرف بڑا قدم تصور کرتا ہے۔ ان افراد میں کچھ مسلم لیگ سے اور کچھ کانگریس سے نظریاتی وابستگی رکھتے ہیں۔ سیاسی حالات کا مسلمان گھرانوں پر یہ اثر ہوا کہ وہ گھریلو ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرنے لگے۔ لیکن ناول کا یہ پہلو خوش آئند ہے کہ مصنفہ نے سیاست کو زبردستی شامل نہیں کیا بلکہ اسی قدر سیاست ناول میں دکھائی دیتی ہے جتنا کہ انسانی حیات پر اس کا اثر ہوتا ہے۔

بڑے چچا کانگریس نواز ہیں اور ان کے اصول گھر کو متاثر کرتے ہیں گھر کے اندر رہنے والے افراد سے بڑے چچا کو کوئی دلچسپی نہیں۔ ان افراد کا معاشی بحران بھی انھیں متاثر نہیں کرتا۔ یہ افراد اپنے دورِ اقتدار کو یاد کر کے روتے ہیں۔ ہر فرد اپنی چھن جانی والی عزت و دولت کا رونا رو رہا ہے جب کہ سربراہ خاندان کانگریس کی عقیدت میں سرشار ہے۔ دوسری جانب عالیہ کے والد جو بڑے چچا کے چھوٹے بھائی ہیں مسلم لیگ کی محبت اور انگریز دشمنی میں اس حد تک چلے جاتے ہیں کہ ایک انگریز افسر کا سر پھاڑ دیتے ہیں، جیل جاتے ہیں اور وہی ان کی موت واقع ہوتی ہے۔ اس پورے سیاسی پس منظر سے زوال پذیر اور تضادات سے بھرپور تہذیب کی نمائندگی ہوتی ہے۔

دادی جان بھی اس تہذیب کا نمائندہ کردار ہیں جو جاگیر دارنہ آمریت کا مرقع ہیں۔ وہ آزادی کے پس منظر میں اس نئی سوچ کو پنپتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتیں جو ان کی زوال پذیر تہذیب سے نئے دور کی تشکیل کر رہی تھی۔ اس لیے وہ

اپنے شوہر کی ناجائز اولاد اسرار میاں سے کبھی مفاہمت نہیں کر پاتیں۔ وہ گھر کے فرد ہوتے ہوئے بھی ملازموں سے بدتر سلوک کے مستحق ہیں۔ اسرار میاں کا کردار جاگیر دارنہ تہذیب کی پستی کی زندہ علامت ہے۔ گھر کی ملازمہ کریمن بوا کا سلوک اسرار میاں کے ساتھ ملاحظہ ہو:

"خبر دار! زندگی میں کبھی مالکن نے منہ نہ لگایا، اب ان کی لاش خراب کرنے آئے ہو۔ کریمن بوا اسرار میاں کے سامنے آ گئیں اور وہ چوروں کی طرح جمیل بھیا کے پیچھے چھپنے لگے۔ تمام لوگوں کی نظریں سوالیہ نشان بن کر اسرار میاں کا تعاقب کر رہی ہیں"۔ (8)

تہمینہ کی وفات کے بعد امّاں کی توجہ کا مرکز عالیہ بنتی ہے جس کے ذریعے وہ اپنے تمام ارمان پورے کرنا چاہتی ہیں۔ وہ ایک روایت پرست خاتون ہیں۔ معاشرے کی ناپسندیدہ رویوں کی عکاسی ان کے کردار کے ذریعے عمدگی سے ہوئی ہے۔ مثلاً روایتی ممانیوں کی ساری صلاحیتیں ان میں پائی جاتی ہیں۔ اپنے شوہر کے یتیم بھانجے کے ساتھ نفرت بھرا سلوک کرتی ہیں۔

"اماں صفدر بھیا سے اور بھی نفرت کرنے لگیں کیسے بے شرم ہیں یہ تمہارے صفدر بھائی بھی۔ جو یہاں سے جاتے نہیں، اب تو اس لائق بھی ہو چکے ہیں کہ کما کھائیں۔۔۔۔ چُلو بھر دودھ میں ڈیھر سارا پانی ملا کر پینے کو دیتیں اور گوشت کے چھیچھڑے کاٹ کر ان کا قیمہ پکا دیتی۔ مگر صفدر بھائی نے کبھی ابّا سے شکایت نہ کی"۔ (9)

رسم و رواج، روایت و اقتدار، عوامی تہوار کی بھی "آنگن" میں تصویر کشی کی گئی ہے۔ ہولی کے تہوار کی ایک جھلک دیکھیے:

"اسی دن ہولی تھی۔ دوسرے دن کُسم دیدی ہمارے گھر بہت سا پکوان لے کر آئیں اور جب آپا سے گلے ملنے لگیں تو ان کے منہ پہ ڈیھر سا عبیر مل دیا۔ پھر اس کی طرف دیکھ جھپٹیں مگر وہ کُسم دیدی کے ہتے نہ چڑے۔ آپا کی رنگی ہوئی صورت دیکھ کر اماں کو بے ساختہ ہنسی آئی۔ شاید اس وقت وہ رنگ کھیلنے کو گناہ سمجھنا بھول گئی تھیں"۔ (10)

مراحلِ محبت کی عکاسی بھی خوبصورتی سے کی گئی ہے:

"اس شام اس نے پہلی بار محسوس کیا کہ اس کی عجیب سی کیفیت ہو رہی ہے۔ عشق وعاشقی کے اُلجھے اُلجھے سے خیالات اسے چکرائے دیتے تھے یہ عشق و محبت کیا ہے جس کے لیے انسان بڑے سے بڑا گھاٹا اُٹھالیتا ہے"۔(11)

ہندو تہذیب میں دوسری شادی ناقابل تلافی جرم ہے۔ سماجی چکر بندیاں عموماً بغاوت کو جنم دیتی ہیں اور ان کی جکڑ بندیوں کا شکار انسان انتہائی قدم اٹھانے پر کس طرح مجبور ہو جاتا ہے۔

"دوسرے دن دوپہر میں مامانے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اماں کو بتایا کہ کُسم دیدی بھاگ گئیں۔ مارے حیرت کے اماں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں"۔(12)

شادی بیاہ کی تقاریب، مراثیوں کے گیت، خوشی کا اظہار، خوبصورت جذبوں کا گیتوں کے ذریعے بیان تہذیبی رچاؤ کی منظر کشی عمدگی سے کی گئی ہے۔

"بارات آنے میں جب سات دن رہ گئے تو آپا کو نہلا دُھلا کر پیلے کپڑے پہنا کر مانجھے بٹھا دیا گیا۔ رات کو مراثنیں اور ڈومنیاں ڈھول لے کر آگئیں اور برآمدے میں بچھی ہوئی دری پر بیٹھ کر قسم قسم کی آوازوں میں گانے لگیں۔ کتنے ارمان، کتنی آرزوئیں تھیں ان گانوں میں، جو کچھ کنواری زندگی میں نصیب نہ ہوا تھا۔ اسے پالینے کی تمنا میں گیت کا ایک ایک بول ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا"۔(13)

نجمہ پھوپھی جو ایم۔اے انگلش ہیں اور گھر میں خود کو سب سے برتر سمجھتی ہیں، ان کا تکبر بھی ایک تہذیب کی نمائندگی کرتا ہے:

"واہ صرف بی۔اے سے کیا ہوتا ہے۔ آدمی جاہل رہ جاتا ہے۔ تھوڑی تعلیم خطرناک ہوتی ہے۔ کرنا ہے تو ایم۔اے بی ٹی کرو، اب مجھے دیکھو جس کالج میں جاؤں ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہوں۔ مگر

ایم۔اے بھی کرو تو انگلش میں، اُردو ایم۔اے تو ہر جاہل کر سکتا
ہے"۔ (14)

خدیجہ مستور کی نظر سماجی حقائق اور اس تناظر میں انسانی رد عمل پر بہت گہری ہے۔ نئی مادی تہذیب کے آغاز کے اشارے جو پاکستان بننے کے بعد کے حالات سے جنم لیتے ہیں۔ اس کی واضح مثال ہیں۔ صفدر جس کے آدرش بہت بلند ہیں۔ اپنی طویل جدوجہد کے نتیجے میں تھکن کا شکار ہو کر مادی حیات کو ترجیح دیتا ہے۔ عالیہ کی ماں کوٹھی کی مالکہ بن کر خود غرضی، بے حسی، بناوٹ اور بے مروتی کی علامت بن جاتی ہیں۔ اس طرح خدیجہ مستور نے نئی پرانی دونوں تہذیبوں کو ایک دوسرے کے مد مقابل لا کھڑا کیا۔ ماضی اور حال کے بیان سے مستقبل کے انسان کے معاشرتی رویوں کی جو نشان دہی ہوئی وہ ان کی فنی و فکری بلندی کے باعث ہے۔ مصنفہ کا مقصد نہ کسی مخصوص علاقہ کی تہذیب کی تصویر کشی ہے، نہ سیاسی جدوجہد کی تفصیلات بیان کرنا ہے، بلکہ اوسط درجے کے زمیندار گھرانے کے کچھ افراد کی زندگیوں کو پیش کرنا تھا۔ خدیجہ مستور کا کمال یہ ہے کہ سیاسی کشمکش کی کہانی میں انہوں نے مکمل غیر جانبداری کا ثبوت دیا ہے حالانکہ سیاسی پس منظر میں کردار تخلیق ہو کر کہانی کار کو اکثر جانبدار بنا دیتے ہیں لیکن خدیجہ اس بھنور سے نکل گئیں اور وہ یہ دکھانے میں کامیاب ہو گئیں کہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے لوگ جب معاشرے میں تبدیل چاہتے ہیں تو اس عمل سے ان کے اندرون میں کیا تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ (15)

خدیجہ مستور نے تہذیبی سطح پر آنگن کی چار دیواری میں رشتوں کے درمیان پروان چڑھنے والے لڑکی سے عورت تک کے جذبوں کی ترجمانی کی ہے جن کی اپنی ایک معاشرتی اہمیت اور رنگ ڈھنگ ہے۔ شاید اسی بناء پر ان کا موازنہ بعض ناقدین نے جین آسٹن سے کیا ہے۔ ڈاکٹر فاروق عثمان لکھتے ہیں کہ والٹر سکاٹ کی درج ذیل رائے خدیجہ مستور کے بارے میں اتنی ہی درست ہے جتنی جین آسٹن کے بارے میں:

"یہ نوجوان خاتون عام سے انسانوں کے لطیف اور نازک جذبات
کو بیان کرنے کی ایسی حیران کن صلاحیت رکھتی ہے کہ جیسی اس
سے پہلے میں نے کہیں نہیں دیکھی"۔ (16)

خدیجہ مستور نے سلیس، عام فہم اور روزمرہ بول چال سے تہذیب و معاشرت کی خوب عکاسی کی ہے۔ اس کے علاوہ تشبیہ اور استعارے کا استعمال بھی خوب ڈھنگ سے کیا۔ ناول کا عنوان بھی معنی خیز ہے یہ محض ایک لفظ نہیں بلکہ "آگن" کے کردار اپنے اپنے انداز میں سامنے آتے ہیں اور ڈاکٹر عبدالحق حسرت نے تو اسے زندگی کا مکمل اشارہ قرار دیا کہ جس پر غور کریں تو تین گھروں کے آگن نظر آتے ہیں اور ہر آگن معنی خیز ہے۔

پہلا آگن عالیہ کے اپنے گھر کا ہے جو اسے اپنے باپ کے انگریز افسر کا سر پھاڑنے کی پاداش میں قید ہونے کی وجہ سے چھوڑنا پڑا۔ دوسرا آگن وہ جو اُن کا خاندانی گھر ہے جہاں بڑے چچا اور کا خاندان ہے۔ یہاں اس کا مختلف کرداروں سے واسطہ پڑا جن میں بڑی چچی، چھمی، اسرار میاں اور جمیل بھیا ہیں۔ ان کرداروں سے عالیہ کا ہمدردی و بے زاری، محبت و نفرت کا تعلق ہے۔ بڑے چچا کا سیاست میں سرگرم ہونا عالیہ کو ذہنی و جذباتی سطح پر متاثر کرتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد وہ سکول ٹیچر ہوتی ہے تو پھر تیسرا آگن سامنے آتا ہے کہ جب وہ سکول ٹیچر ہے یہاں وہ بڑے چچا کے قتل جیسے سانحہ کو برداشت کرتی ہے اور ساتھ ہی صفدر جیسے آئیڈیل کی خود غرضی کو بھی پہچانتی ہے۔ ہر آگن اپنے زمانے کے تہذیبی، معاشرتی اور ثقافتی رنگ کو خوب عیاں کرتا ہے۔

(References الھوامش)

[1] Rekhta.org/authors/khadija. Mastor/profile ?lang=ur
[2] Sabat Hasan: Pakistan Mein Tahzeeb ka Irtqa, Karachi: Daniyal School, 2015, p. 17
[3] Rekhta.org/authors/khadija. Mastor/profile ?lang=ur
[4] Anwar Anayatullah: Aagan Pr Tabsrah, Risalah Niya Daor, Karachi (Kahani No) Shumarah no 31, p: 45, Pakistan Cultural Society: Karachi (Idara Sana Allah Qamar Sultana).
[5] Khadija Mastoor, Angan, New Delhi: Modern Publishing House, January 1984, p:9
[6] Khadija Mastoor, Angan, New Delhi: Modern Publishing House, January 1984, p:16
[7] Khadija Mastoor, Angan, New Delhi: Modern Publishing House, January 1984, p:60
[8] Khadija Mastoor, Angan, New Delhi: Modern Publishing House, January 1984, p:29
[9] Khadija Mastoor, Angan, New Delhi: Modern Publishing House, January 1984, p:23
[10] Khadija Mastoor, Angan, New Delhi: Modern Publishing House, January 1984, p:50
[11] Khadija Mastoor, Angan, New Delhi: Modern Publishing House, January 1984, p:57
[12] Khadija Mastoor, Angan, New Delhi: Modern Publishing House, January 1984, p:50
[13] Khadija Mastoor, Angan, New Delhi: Modern Publishing House, January 1984, p:22
[14] Khadija Mastoor, Angan, New Delhi: Modern Publishing House, January 1984, p:150
[15] Mumtaz Ahmad Khan, Dr.: Urdu Novel ky Badlty Tanazur Mein, Karachi: Welcome Book port, Main Urdu Bazaar, Published 1st July 1993,P: 53
[16] Farooq Usman, Ph.D.: Urdu Novel Mein Muslim Saqafat, Multan: Beacon Books, 2002, p: 457